کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ جامعہ پنجاب کے

سہ ماہی مجلۂ تحقیق

کا

جامعہ پنجاب کی صد سالہ تقریبات

کے سلسلے میں

خصوصی شمارہ

جس میں کلیہ کے تمام شعبوں سے متعلق تحقیقی مقالات شامل ہیں

مدیر

ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک

ملنے کا پتہ

ڈین ، کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ

جامعہ پنجاب ، اولڈ کیمپس ، لاہور (پاکستان)

*ڈاکٹر حافظ محمد سلیم

قرآن کا طرز استدلال

لکل قوم هاد[1] ولکل امة رسول[2] کے آفاقی، کائناتی اور دائمی اصول کے تحت رب العالمین نے ابتدائے آفرینش ہی سے انسانیت کی ہدایت و راہ نمائی کے لیے اپنے مقرب اور منتخب بندوں کو بطور نبی و رسول کے ''الہامی'' تعلیم کے ساتھ بھیجنے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ سلسلۂ ''آسمانی تعلیم'' کی آخری کڑی کے طور پر قرآن مجید کو ''ان هذه تذكرة[3] وانه لذكر لك و لقومك[4] اور 'ان هو الا ذكر للعلمين'[5] کے خصوصی امتیازات کے ساتھ حضور رحمة للعلمين صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نسل انسانی کے لیے ابدی، دائمی، جامع اور آخری صحیفۂ ہدایت کے حوالہ سے نازل کیا گیا۔

قرآن مجید کی تعلیمات پوری نسل انسانی کی فلاح و بہبود اور کامیابی کے ضامن لائحہ عمل کی حامل ہیں۔ انداز بیان اور طرز استدلال انتہائی سادہ آسان اور عام فہم ہے۔ اسلوب بیان ایسا کہ ہزاروں سال پہلے کہی گئی بات بھی ایسے معلوم ہو جیسے آج کے حالات کے لیے نازل کی گئی ہے۔ قرآن اپنی بات کو اس انداز اور پیرائے میں ذکر کرتا ہے کہ فہم و فراست اور عقل و شعور رکھنے والا ہر شخص بہت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ان سطور میں قرآن کریم کے اسی ''طرز استدلال'' کا مطالعہ مقصود ہے۔

تدبر و تفکر کی اہمیت

قرآن کریم کے طرز استدلال کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ غور و فکر اور تفکر و تدبر کے بارے میں قرآن مجید کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ اس حوالہ سے جب قرآن کریم میں غور کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ قرآن مجید کو اپنے مندرجات میں غور و فکر کرنے پر نہ صرف اصرار ہے بلکہ قرآن ایسا نہ کرنے والوں کے لیے ''تنبیہہ'' کا انداز اختیار کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

---

*ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان

"أفلايتدبرون القرآن ام على قلوب اقفالها"[6] وہ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ اس آیۃ مبارکہ میں قرآن کریم کی تعلیمات میں سوچ و بچار نہ کرنے پر جو اظہار ناپسندیدگی کیا گیا ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔

"فلايتدبرون القرآن۔ای لا یلاحظونه، ولا یتصفحونه، و ما فیه من المواعظ و الزواجر حتی لا یقعوا فیما و قعوا فیه من الموبقات (ام علی قلوب اقفالها) تمثیل لعدم وصول الذکر الیها و انکشاف الامر لها فکانه قیل۔ "افلایتدبرون القرآن" یعنی جو لوگ قرآن کریم کے مواعظ پر غور نہیں کرتے اور اس سے نصیحت نہیں پکڑتے تو ایسا ہے کہ ہے ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں"

علامہ مراغی فرماتے ہیں کہ "منافق لوگ ان مواعظ و دلائل پر غور کیوں نہیں کرتے جو اللہ نے قرآن میں بیان کیے ہیں کہ انہیں پتہ چلتا کہ وہ غلط راہ پر چل رہے ہیں کیا ان کے قلوب پر تالے پڑے ہوئے ہیں کہ اللہ کی نازل کردہ نصیحت پر غور نہیں کرتے"[8]

اس کے بالمقابل قرآن ان لوگوں کی تعریف میں جو اس کائنات میں تفکر و تدبر کرتے ہیں فرماتا ہے۔

ان فی خلق السموات و الارض و اختلاف الیل و النهار لآیات لأولی الباب الذین یذکرون الله قیاماً و قعوداً وعلی جنوبهم و یتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا۔

"بے شک زمین و آسمان کی تخلیق اور رات و دن کے بدلتے رہنے میں صاحب عقل لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور پہلوؤں کے بل اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی تخلیق میں تفکر کرتے ہیں (اس کے بعد زبان حال سے کہتے ہیں)۔ اے ہمارے پروردگار تو نے یہ باطل پیدا نہیں کیا"

اس آیہ مبارکہ میں تفکر و تدبر کی جو اہمیت بیان ہوتی ہے حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ان فی خلق السموات والارض، ویل لمن قرأها ولم یتفکر فیها[10] علامہ رازی فرماتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ میں "اشارة الی عبودیة القلب و الفکر و الروح ، و الانسان لیس الا هذا المجموع ،

فاذا کان الانسان مستغرقاً فی الذکر، والارکان فی الشکر، و الجنان فی الفکر، کان ھذا العبد مستغرقاً بجمیع اجزائہ فی العبودیۃ، فالایۃ الاولیٰ دال علیٰ کمال الربوبیہ (والاخری) علیٰ کمال العبودیۃ فما أحسن ھذا الترتیب فی جذب الارواح من الخلق الی الحق'' [۱۱] صاحب المنار فرماتے ہیں کہ

''ھذہ الایات تظھر لکل احد علیٰ قدر علمہ و فھمہ وجودۃ فکرہ فاما علماء الھیئۃ فالھم یعرفون من نظامھا مایدھش العقل۔ واما سائر الناس فحسبھم ھذہ المناظر البدیعۃ والاجرام الرفیعۃ و ما فیھا من الحسن والروعۃ'' [۱۲] یعنی یہ آیہ کریمہ ہر صاحب عقل کی فہم و فراست کے مطابق اس ہر کائنات کے ایسے اسرار کی وضاحت کرتی ہے جس سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ سورہ بقرہ کی ۱۶۴ آیت میں کچھ مزید کائناتی قوتوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

ان فی خلق السموات والارض و اختلاف الیل و النھار والفلک التی تجری فی البحر بماینفع الناس و ما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیابہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ و تصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون [۱۳] بے شک زمین و آسمانوں کی تخلیق، رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں [۲] اور کشتیوں کے دریا میں ان چیزوں کے ساتھ چلنے میں جو لوگوں کے لیے نفع بخش ہیں [۳]، اور (بارش کے) پانی میں جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا اور پھر اس سے زمین کے خشک ہو جانے کے بعد تازہ کیا [۴] اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے [۵]۔ اور ہواؤں کے [۶] پھیرنے اور بادلوں [۷] کے زمین و آسمان کے درمیان مسخر رہنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اس آیۂ مبارکہ میں کائناتی نظام میں غور و فکر کو نہ صرف مستحسن قرار دیا گیا ہے بلکہ فرمایا کہ اس میں صاحب عقل لوگوں کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ علامہ قاسمی فرماتے ہیں۔

''انما اظھر ھذہ الآیات الدالۃ علیٰ وجودہ و توحیدہ ورحمتہ لیخصہ الخلق بالمحبۃ و العبادۃ'' اور علامہ رشید رضا فرماتے ہیں ''ھذہ آیۃ قرآنیہ تشرح لنا بعض الآیات الکونیۃ الدالۃ علیٰ وحدانیۃ اللہ تعالیٰ ورحمتہ الواسعۃ'' [۱۵]

پیر کرم شاہ صاحب نے ضیاء القرآن میں اس آیہ مبارکہ سے متعلق جو کچھ بیان فرمایا ہے اس کا خلاصہ یوں ہے ''اس آیت میں توحید کے دلائل شرح وبسط سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس اہم ترین مسئلہ کے اثبات کے لیے قرآن کا طرز استدلال فلسفیوں کے استدلال سے الگ ہے۔ فلسفیانہ پیچیدہ اصطلاحات کی بجائے قرآن کریم دلائل کوایسے پیش کرتا ہے جو کائنات کے کھلے صفحات پر رقم ہیں اور اتنے روشن

اور واضح کہ ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق سمجھ سکتا ہے اور گہرے اور پیچیدہ اتنے کہ ماہر غوطہ زن بھی ان کی تہ تک پہنچنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا ان دلائل میں جو شخص سنجیدگی سے غور کرے گا ۔ وہ یقین و تصدیق کی دولت سے مالا مال ہوگا ۔ یہی ہے قرآن کے طرز استدلال کاطرہ امتیاز اور وجہ اعجاز''۱۶

قلب و ذہن اور دانش و خرد سے کام لینا انسان کی عظیم صفت ہے اور جو لوگ ان سے کام نہیں لیتے اور کائنات کے اندر پوشیدہ رموز میں تدبر نہیں کرتے ان کے بارے میں قرآن کا بیان یہ ہے ۔

لهم قلوب لا يفقهون بها و لهم اعين لا يبصرون بها و لهم آذان لا يسمعون بها ۔ اولئك كالانعام بل هم اضل ، اولئك هم الغافلون۱۷ ۔ ان کے پاس دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں ۔ آنکھیں ہیں دیکھتے نہیں ۔ کان ہیں سنتے نہیں ۔ (اس وجہ سے) یہ لوگ چوپائیوں کی مانند ہیں یا ان سے بھی بدتر ۔ یہی لوگ غافل ہیں (انسانی عظمت سے) مالک الملک کی نظر میں عقل و ذہن کا استعمال اس قدر پسندیدہ ہے کہ ایسا نہ کرنے والوں کو بہائم و حیوانات میں شمار کیا جاتا ہے اور باوجود ظاہری طور پر انتہائی ذہین اور چست ہونے کے غافل گردانا جاتا ہے کہ جب قلب کی آنکھ سے رب العالمین کی نشانیاں دیکھنے کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور کائنات میں رب الارباب کے وجود پر قائم ہونے والے دلائل کو سنا نہیں جاتا تو پھر اس سے بڑی غفلت اور ہو بھی کیا سکتی ہے ۔ اسی حالت کو قرآن انسانی فکر و بصیرت کے تعطل سے تعبیر کرتا ہے ۔

قرآن کریم نے

۱۔ اثبات توحید ۔

۲۔ بطلان شرک ۔

۳۔ اور اُمم سابقہ کے احوال و واقعات کے بیان میں جو طرز استدلال اختیار کیا ہے اس پر غور کرنے کے بعد کوئی انسان بھی بفضل تعالیٰ دولت ہدایت سے محروم نہیں رہ سکتا ۔

اثبات توحید

قرآن کریم کا عمومی اسلوب بیان یہ ہے کہ کائنات میں موجود ترتیب ، تنظیم ، منصوبہ بندی اور ذہانت کو اپنے وجود اور توحید کے اثبات پر بطور حجت کے پیش کرتا ہے ملاحظہ ہو ۔

أم اتخذوا آلهة من الارض أم هم ینشرون لوکان فیھا آلھة الا اللہ لفسدتا فسبحن اللہ رب العرش عما یصفون۱۸۔

کیا انھوں نے زمین میں سے معبود اختیار کر لیے ہیں کہ وہ پیدا کرتے ہیں ؟ اگر ان کے درمیان (زمین و آسمان) اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہوتا تو یقیناً (ان میں) فساد پیدا ہو جاتا پس اللہ رب العرش کے لیے ان باتوں سے متعلق پاکیزگی ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ کتنا عقلی اور مثبت طرز استدلال ہے کہ جب ایک سلطنت میں دو بادشاہوں کا حکم بد انتظامی پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے تو اس کائنات میں اگر ایک سے زیادہ خداؤں کا امکان ہوتا تو یہ نظام فساد کا شکار ہو کر کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔ علامہ مراغی فرماتے ہیں ''اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ کوئی رب ہوتا تو دونوں (آسمان و زمین) برباد ہو جاتے اور جو کچھ ان کے اندر موجود نظر آتا ہے تباہ ہو جاتا۔ کیونکہ دو خداؤں کی صورت میں یہ لازمی امر ہے کہ ایک کام کے سلسلہ میں دونوں میں اتفاق ممکن نہیں اور اگر ایک خدا ایک کام کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کے نہ ہونے پر اصرار کرے تو ایک کا بطلان ضروری ہے۔

''و الالہ لا یکون کذالک و لما اثبت بالدلیل ان المدبر للسموات والارض لایکون الاو احداً۔ و ان ذالک الو احد لا یکون الا اللہ۔۱۹

امام رازی نے اس آیہ کریمہ کی چودہ عقلی توضیحات پیش کرکے مشرکین اور ملحدین کے تمام اعتراضات کا جواب دیا ہے اور توحید کا اثبات کیا ہے، وجود باری پر بہت خوبصورت اور دل نشین تقریر ہے۲۰۔ پیر کرم شاہ صاحب کا بیان بھی ملاحظہ ہو ''یہ آیت توحید الہی کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ انسان اس میں جتنا بھی غور و فکر کرے اللہ کی توحید پر اس کا ایمان اتنا ہی پختہ ہوا جاتا ہے اس کے باوجود اتنی سہل اور عام فہم کہ ایک سادہ لوح دیہاتی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک ملک کے دو فرمانروا ہوں جن کے اختیارات بھی مساوی ہوں تو فتنہ و فساد کا پیدا ہونا لازمی امر ہے اور اگر ایک فوج کے دو جرنیل ہوں تو فوج کا جم کر لڑنا ممکن نہیں۔ جب ایک بدن میں دو روح اور ایک نظام شمسی میں دوسرا آفتاب نہیں سما سکتا تو اس جہان بالا و پست میں بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرا خدا ممکن نہیں''۲۱۔

وجود باری سے متعلق شک و شبہ کا شکار ہونے والوں کے سامنے حقیقت تخلیق کون جیسی ناقابل تردید دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

أفی اللہ شک فاطرالسموات و الارض[۲۲] کیا (اب بھی) اللہ میں شک کرتے ہو (باوجودیکہ اس کے کہ) وہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے - اور یہ دلیل پیش اس لیے کی کہ خود مشرکین و ملحدین بھی اللہ کی صفت خلق کے قائل چلے آ رہے تھے - مثلاً

ولئن سالتھم من خلق السموات و الارض و سخر الشمس والقمر لیقولن اللہ.[۲۳]

اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ کس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے تو وہ کہیں گے کہ وہ اللہ ہے اور -

و لئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن خلقھن العزیز العلیم[۲۴]

"اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ان کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا ہے" اس مانی ہوئی حقیقت ہی کو ان کے سامنے بطور دلیل کے پیش کرکے سمجھایا جا رہا ہے -

"أإنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین و تجعلون لہ انداداً"[۲۵]-

صاحب عقل کے لیے اس سے بہتر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی - سورہ حم السجدہ کی آیات ۹ سے ۱۲ تک تخلیق کون کے رموز بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر ایسے حقائق کی نشاندہی کے بعد بھی یہ لوگ توحید کے قائل ہونے پر تیار نہیں تو "پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو کہہ دیں کہ میں تمہیں عاد اور ثمود کے آسمانی عذاب کی طرح کے عذاب سے ڈراتا ہوں -

زمین و آسمان کے اپنی جگہ پر مرتکز اور قائم رہنے کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا مظہر بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے "ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ[۲۶] بےشک اللہ ہی نے زمین و آسمان (اپنی اپنی جگہ پر) کو تھام رکھا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہل جاویں (یعنی ہلتے نہیں ہیں) اور اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو (اللہ کے) اس کے بعد کوئی انہیں تھامنے والا نہیں ہے - آسمان سے بارش کے نازل ہونے کا جو طبقاتی طریق کار ہے اس کی نشاندہی اور بارش کے ذریعہ جو رنگا رنگ پھول ، پھل اور سبزہ پیدا ہوتا ہے اس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے :

واللہ الذی ارسل الریاح فتثیر سحابا فسقناہ الی بلد میت فاحیینا بہ الارض بعد موتھا کذالک النشور[۲۷]

اور اللہ وہ ذات (قادر) ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پس وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پس ہم انھیں ہانک دیتے ہیں ایک مردہ علاقے کی طرف پس اس کو زندہ کر دیتے ہیں اور اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اسی طرح قبروں سے دوبارہ اٹھنا ہے ۔

وھوالذی ارسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ ۔ وانزلنا من السماء ماءآ طھوراً۔ لنحی بہ بلدۃ میتاً ونسقیہ مما خلقنا انعاماً واناسی کثیراً۲۸

اور اللہ وہی ذات ہے جس نے ہواؤں کو اپنی رحمت کے ساتھ خوشخبری دینے والی (بارش کی) بنا کر بھیجا اور آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیا تاکہ اس کے ذریعہ مردہ شہر (قحط زدہ) کو زندہ کرے اور پلائیں وہ پانی ان کو کہ ان سے پیدا کیا جانوروں کو اور بے شمار انسانوں کو ۔

ان حقایق کے ذکر کے بعد کہ جب اس کائنات میں ایک اللہ کے علاوہ کوئی دوسری قوت متصرف حقیقی نہیں تو پھر اس کا انکار کیونکر ممکن ہے اس لیے عقل سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی ربوبیت عظمیٰ اور ملوکیت کبریٰ کو تسلیم کر کے اس کی طرف جھکا جائے فرمایا :

یا ایھا الناس اذکروا نعمت اللہ علیکم ھل من خالق غیراللہ یرزقکم من السماء والارض لا الہ الا ھو فانی توفکون۔ ۲۹

اے لوگو اللہ کی نعمت یاد کرو جو اس نے تم پر فرمائی ۔ کیا اس اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے جو تمھیں زمین و آسمان سے رزق فراہم کرے ۔ (جب اس کے سوا کوئی معبود نہیں (تو) پھر تم کدھر پھرے جاتے ہو''

امن یبدء الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السماء والارض وأله مع اللہ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۳۰

''یا وہ ذات جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ زندہ کرے گا اور جو کہ آسمان اور زمین سے تمھیں رزق دیتا ہے ۔ (بتلاؤ) کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے ۔ آپ کہیے کہ اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو ۔'' یعنی قرآن دلیل سے بات کرتا ہے اور دلیل کا جواب ویسی ہی قاطع دلیل سے چاہتا ہے اور جب اللہ کی توحید کے مقابلے پر کوئی دلیل پیش کرنا ممکن نہیں تو کیوں یہ بات تسلیم نہیں کر لی جاتی کہ

ذلکم اللہ ربکم خالق کل شئی لا الہ الا ھو فانی توفکون ۔۳۱

یہی ہے تمہارا پروردگار ہر چیز کا پیدا کرنے والا ۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ پس کہاں پھرے جاتے ہو ۔ ایسے براہین و دلائل کا انکار کرنے والوں ہی کے لیے وعید ہے کہ ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ۔۳۲

بطلان شرک

اثبات توحید کے بعد بطلان شرک کے ضمن میں بھی قرآن کریم کا اسلوب بیان بہت مدلل اور واضح ہے فرمایا ''یاایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذباباً ولو اجتمعوالہ وان یسلبھم الذباب شیئاً لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب۳۳'' اے لوگو ایک مثال بیان کی گئی ہے اسے غور سے سنو ، کہ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ہرگز ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو اس سے چھڑا نہ سکیں ۔ مانگنے والا اور جس سے مانگا جاتا ہے دونوں ہی ضعیف ہیں ۔ کس قدر عام فہم اسلوب ہے کہ جب مکھی جیسی معمولی چیز پیدا کرنا کسی کے اختیار میں نہیں بلکہ مکھی سے کوئی چیز واپس لینے پر بھی قدرت نہیں تو دعوائے الوہیت کیسا اور اس کے کیا معنی ؟

علامہ زمخشری فرماتے ہیں :

« و ادل من ذالك علی عجزھم وانتفاء قدرتھم ان ھذا الخلق الاقل الاذل لواختطف منھم شیئاً فاجتمعوا علی ان یستخلصوہ منہ لم یقدروا۳۴ ۔ فکیف یجوزللعاقل ان یترك القادر الحکیم ویشتغل بعبادۃ ما لیس بشئی اصلاً

اسی طرح کی ایک دوسری مثال میں فرمایا :

مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وإن اوھن البیوت لبیت العنکبوت لوکانوا یعلمون ان اللہ یعلم ما یدعون من دونہ من شئی وھو العزیز الحکیم ۔ وتلك الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون۳۵ ۔

یعنی جس طرح مکڑی کا گھر ریت کا گھروندا ہے اسی طرح غیراللہ پر بھروسہ کرنا کرنااور انھیں خدا تسلیم کرنا سوائے بے وقوفی کے کچھ بھی نہیں ۔ مگر یہ بات تو صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں'' اور عالم تو وہی ہے جو اللہ کی اطاعت کرے اور نافرمانی سے اجتناب کرے ۔

"عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلا ھذہ الآیۃ (وتلک الامثال) فقال ، العالم من عقل عن اللہ تعالی فعمل بطاعتہ واجتنب سخطہ"[۳۶]

علامہ قاسمی فرماتے ہیں :

ھذا المثل ونظائرہ فی التنزیل (نضربھا للناس) ای یقرب ما بعد من افہامھم، فان الامثال والتشبیہات طرق تبرز منھا المعانی المحتجبۃ للافہام"[۳۷]

صاحب کشاف نے ان مثالوں کے بارے میں قریش کا ردعمل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ "قریش کے بے وقوف اور جاہل یہ مثالیں سن کر کہنے لگے کہ محمد ؐ کا خدا مکڑی اور مکھی کی مثالیں بیان کرتا ہے اور اس پر تمسخر اڑاتے لیکن اللہ تعالی نے فرمایا کہ ان مثالوں سے سوائے صاحب عقل حضرات کے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ مثالیں تو ندرت معانی اور کافر و مومن کا فرق واضح کرنے کے لیے بیان کی جاتی ہیں"[۳۸]

بطلان شرک سے متعلق جو قولی اور عملی استدلال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش فرمایا تاریخ فلسفہ و کلام آج تک اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے - اول الذکر کی طرف سورۃ بقرہ کا بیان یوں ہے -

الم تر إلی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان آتاہ اللہ الملک اذ قال ابراھیم ربی الذی یحی ویمیت قال انا احی وامیت قال ابراھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب ، فبھت الذی کفر واللہ لا یھدی القوم الظالمین[۳۹]۔

کیا آپ نے اسے نہیں دیکھا جس نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جھگڑا کیا ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ اللہ نے اسے بادشاہی عطا کر رکھی تھی - جب ابراہیم علیہ السلام نے اس سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اس نے کہا میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں - ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو مشرق سے سورج نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا (یہ سن کر) ہوش اڑ گئے اس کافر کے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا" -

مذکورہ واقعہ کا تعلق نمرود اور ابراھیم علیہ وسلم کے درمیان ہونے والے مناظرہ سے ہے جسے ابراھیم علیہ السلام نے نمرودکودعوائے خدائی سے تائب ہو کر اللہ کی طرف جھکنے کی دعوت دی تو اس نے ابراھیم علیہ السلام سے اللہ

رب الارباب کی صفات دریافت کیں ۔ ابراھیم ؑ نے فرمایا کہ میرے رب کی صفات تو ظاہر ہیں کہ وہ موت و حیات کا مالک ہے ۔ اس نے کہا یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں ۔ بحوالہ ضیاء القرآن نمرود نے دو آدمی بلائے ایک کے لیے حکم قتل ہو چکا تھا دوسرا بے گناہ تھا ۔ نمرود نے قوت و طاقت کے نشے میں مست ہو کر بے گناہ کو قتل کروا دیا اور قاتل کو رہا کر دیا ۔ اور اس طرح اپنی جھوٹی خدائی کی لاج رکھ لی ۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے نمرود پر اس کے کہ اس دعویٰ کی وجہ سے مناظرانہ گرفت فرماتے ہوئے ایک بہت آسان اور سادہ سا کام کرنے کو کہا کہ اگر تو حقیقی رب ہے تو مظاہر فطرت میں سے سورج ہے میرے رب نے مشرق سے طلوع ہونے پر کروڑوں برس سے مامور فرما رکھا ہے تو اسے ذرا مغرب سے نکال کر دکھا دے تاکہ تیری ربوبیت پوری کائنات پر واضح اور عیاں ہو سکے ۔ پھر کیا تھا کہ نمرود کے طوطے اڑ گئے سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے سر اپنا کر لیا ۔ کھسیانا ہو کر آنکھیں چرانے لگا اب تقاضائے عقل و فکر یہ تھا کہ یہاں اپنی عاجزی بے بسی اور کمتری کا اقرار کر لیتا اور ابراھیم علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیتا ۔ مگر ظالم کو اس کے تکبر اور مرتبہ نے ہدایت کے قبول کرنے سے روک دیا ۔ اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا واللہ لا یھدی القوم الظالمین اللہ ایسے عقل کے اندھوں کے نصیب میں ہدایت نہیں ہوتی اور گمراہی اور ضلالت ان کا مقدر بن کر رہ جاتی ہے اور یہ گمراہی شاخسانہ ہوتی ہے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا ۔

علامہ حقی فرماتے ہیں :

فقال تعالیٰ واللہ لا یھدی القوم الظالمین ''ای الذین ظلموا انفسھم بتعریضھا العذاب المخلد بسبب اعراضھم عن قبول الھدایة الی مناھج الاستدلال ای عن قبول الدلائل القطعیة الدالة علی الحق دلالة واضحة بالغة فی الوضوح والقوة الی حیث جعل الخصم مبھوتاً متحیراً فمن ظلم نفسه بالامتناع عن القبول مثل ھذہ الدلائل لا یجعل اللہ مھتدیاً بھا[٤٠] ۔

یعنی جو جان بوجھ کر ہدایت کا انکار کرتا ہے اس کے لیے گمراہی و ضلالت کا فیصلہ ہوتا ہے ورنہ ہدایت کا دروازہ اللہ کی طرف سے کبھی بند نہیں کیا جاتا ۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا عملی استدلال جیسے سورہ انبیاء میں بڑی ہی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یوں ہے کہ ''پہلے انہوں نے قوم کے بزرگوں سے جب پوچھا کہ بتوں کو کیوں پوجتے ہو تو جواب دیا کہ جی ہمارے بڑے بھی

اسی طرح کیا کرتے تھے ۔ فرمایا کہ اگر تمہارے بڑے گمراہ تھے تو تم بھی گمراہی اور ضلالت ہی پر ڈٹے رہو گے ۔ اچھا میں تمہیں سمجھانے کی کوئی تدبیر اختیار کروں گا کہ تمہارے ذہنوں سے ان کی عظمت نکل جائے ۔

وتاللہ لا کیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین ۔ فجعلھم جذاذاً الا کبیراً لھم لعلھم الیہ یرجعون ۔ قالوا من فعل ھذا بآلھتنا إنہ لمن الظالمین۔ قالوا سمعنا فتی یذکر ھم یقال لہ ابراھیم ۔ قالوا فأتوا بہ علی اعین الناس لعلھم یشھدون ۔ قالواأ انت فعلت ھذا بالھتنا یاابراھیم ۔ قال بل فعلہ کبیرھم ھذا فسئلوھم ان کانوا ینطقون ۔ فرجعوا الی انفسھم فقالوا انکم انتم الظالمون۔ ثم نکسوا علی رؤوسھم لقد علمت ما ھؤلاء ینطقون ۔ قال افتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئاً ولا یضرکم أف لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون ۔ قالوا حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فاعلین۔ قلنا یانار کونی برداً و سلاما علی ابراھیم ۔ وارادوا بہ کیدا فجعلناھم الاخسرین[41] ۔

”اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کے ساتھ کچھ برائی کروں گا کہ تم اس کے بعد پیٹھ پھیر جاؤ ۔ پس ایک بڑے (بت) کے علاوہ سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تاکہ وہ اس کی طرف متوجہ ہوں ۔ انہوں نے کہا کس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا کیا بے شک وہ ظالم ہے ۔ انہوں نے کہا ایک نوجوان کو جس کا نام ابراھیم ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا گیا ہے ۔ انہوں نے کہا اسے لوگوں کے روبرو لاؤ تاکہ اسے دیکھ لیں ۔ (جب آ گئے ابراھیمؑ) انہوں نے کہا کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ ایسا کیا ہے اے ابراھیم ؟ کہا بس کیا (ہوگا) ان کے بڑے نے ان کے ساتھ ۔ ان سے پوچھو اگر بولتے ہیں پس اپنے گریبانوں کی طرف مڑ گئے اور کہا بس تم ہی ظالم ہو ۔ پس پھر اپنے سروں کے اوپر الٹے کئے گئے ۔ البتہ تو جانتا ہے کہ یہ بات نہیں کر سکتے ۔ (ابراھیم علیہ السلام نے موقعہ غنیمت سمجھ کر فرمایا) کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان ، افسوس ہے تمہارے لیے اور ان کے لیے جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو ۔ کہ تم عقل سے کام نہیں لیتے ۔ انہوں نے کہا کہ اسے جلاؤ اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کچھ کر سکتے ہو ۔ ہم نے کہا اے آگ ابراھیم پر سلامتی والی ٹھنڈی ہو جا ۔ انہوں نے (ابراھیم کے ساتھ) مکر کا ارادہ کیا پس ہم نے انھیں نقصان پانے والے کر دیا ۔

یہ واقعہ قرآن کریم کے عقلی طرز استدلال پر بہت بڑی دلیل ہے ۔ عقل کا

تقاضا یہی تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تمہاری رائے میں اگر یہ تمہارے خدا ہیں تو ان سے پوچھو کہ ان کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک کس نے کیا ؟ مگر چونکہ پتھر میں بولنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لیے ابراہیم علیہ السلام کا خیال یہ تھا کہ یہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ بت عبادت کے قابل نہیں ۔ مگر بجائے سمجھنے کے یہ کہا کہ ''لقد علمت ما ھؤلاء ینطقون'' کہ تو جانتا تو ہے کہ یہ بات نہیں کر سکتے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب یہ نہ اپنا دفاع کر سکتے ہیں ۔ نہ آپ بیتی بیان کرنے پر قادر ہیں نہ تحفظ کی صلاحیت رکھتے ہیں تو چھوڑو انہیں اور رب اعلیٰ و برحق کی طرف آجاؤ۔ مگر انہوں نے ہدایت کی راہ اختیار کرنے کی بجائے الٹا ابراہیم علیہ السلام کو جلا کر سزا دینے کا منصوبہ بنایا ۔ اس پر اللہ نے ان کے لیے فیصلہ فرما لیا کہ یہ لوگ کبھی بھی ہدایت حاصل نہیں کر سکیں گے اور نقصان ابدی و اخروی ان کا مقدر رہے گا ۔ فجعلناھم الاخسرین ۔ یہی قرآن کریم کا استدلال ہے کہ عقل کے بے شمار مظاہروں اور ہدایت کے ان گنت مواقع فراہم کرنے کے بعد کسی کی گمراہی اور ضلالت کا فیصلہ فرماتا ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں نکسوا علی رؤسھم کا معنی ہے اپنی مشرکانہ جہالت کی طرف لوٹنا حضرت ابن عباس سے یہی معنی مروی ہے ، ادرکھم الشقاء فعادوا الی کفرھم ۔ یعنی اپنی بدبختی کی وجہ سے بجائے ہدایت کے حاصل کرنے کے وہ کفر کی طرف لوٹ گئے ۔

صاحب کشاف فرماتے ہیں :

''وان ابراھیم علیہ السلام اضجرہ مارأی من ثباتھم علی عبادتھا بعد انقطاع عذرھم وبعد وضوح الحق و زھوق الباطل ۔ فتأف بھم''۴۲

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں :

''ورددوا إلی الکفر وانقلبوا إلی المجادلة بعد ما استقاموا بالمراجعة إلی القول لقد علمت ما ھؤلاء ینطقون ۔۴۳

ابو الکلام آزاد کی رائے میں یہ انکار جارحانہ انکار ہے ۔ یعنی ایسا انکار محض ضد اور ہٹ دھرمی اور بغض و عناد کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اور قرآن اسی حالت کو انسانی فکر و بصیرت کے تعطل سے تعبیر کرتا ہے ۔۴۴

صاحب ضیاء القرآن کی رائے میں "حق سمجھ لینے کے باوجود پے در پے انکار کرنے کی وجہ سے ان کے دل و دماغ اور دیدہ و گوش کی ساری قوتیں ناکارہ ہو کر رہ گئیں۔ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے "فجعلناھم الاخسرین" کا فیصلہ ہوا ورنہ پہلے سے ان کے لیے یہ فیصلہ نہیں کیا گیا تھا۔ قرآن اس نقطہ کی مزید وضاحت میں فرماتا ہے بل طبع اللہ علیھا بکفرھم۔ یعنی ان کے دل پہلے سے مہر شدہ نہ تھے بلکہ ان کے اصرار کفر کی وجہ سے ایسا ہوا جیسا کہ فرمایا بل لان علی قلوبھم ما کانوا یکسبون یعنی جو کرتوت وہ کیا کرتے تھے ان کا میل دلوں پر جم گیا اور شیشہ دل مکدر ہو کر رہ گیا۔[۴۵] نیتجتاً "حضرت ابراھیم علیہ السلام نے بتوں کی بے بسی۔ عاجزی اور کمتری کا ایک عملی مشاہدہ اپنی قوم کے سامنے رکھا مگر حقیقت حال جان لینے کے باوجود بھی وہ لوگ قبول حق پر آمادہ نہ ہوئے اتمام حجت کے طور پر بتوں اور معبودان باطلہ کے بارے میں انھیں پرستاروں سے قرآن پوچھتا ہے۔

قل ھل من شرکائکم من یبدأ الخلق ثم یعیدہ قل اللہ یبدأ الخلق ثم یعیدہ فانی تؤفکون ۔[۴۶]

کہیے کہ تمہارے شریکوں میں کوئی ہے کہ پہلی بار پیدا کرے اور پھر دوبارہ پیدا کرے۔ کہیے کہ اللہ ہی پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔

ایسے خدا جو نہ پہلی بار پیدا کر سکتے ہوں اور نہ ہی دوبارہ پیدا کرنے کی طاقت رکھتے ہوں بھلا ایسے خداؤں کو ماننے کا فائدہ ہی کیا۔

مزید تاکید اجتناب شرک کے طور پر فرمایا۔

قل أتعبدون من دون اللہ مالا یملک لکم ضراً ولانفعاً واللہ ھوالسمیع العلیم۔[۴۷]

آپ فرمائیے کہ تم اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے نفع نقصان کا مالک نہیں اور اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

یعنی جو نہ نفع پہنچا سکے اور نہ ہی نقصان سے بچا سکے وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ اس لیے نسل انسانی کو شرک سے باز رکھنے کے لیے عقلی طور پر قرآن مجید نے سارے ممکنہ ذرائع سے یہ بات واضح فرما دی کہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کا تصور کسی طور پر بھی ممکن نہیں جبکہ ایسا کرنے والے کو قیامت کے روز مایوسی اور نامرادی کے ساتھ اپنے عمل مشترک سے براءت کا اعلان کرنا ہی ہوگا کہ

"قالوا واللہ ربنا وما کنا مشرکین"

لہذا عقل کا تقاضا یہی ہے کہ معبود حق کا دروازہ نیازمندی سے پکڑ کر اسی سے لو لگائی جائے۔ اور جبین نیاز کو اسی در پر جھکایا جائے۔

امم سابقہ کے احوال و واقعات کے تناظر میں امت مسلمہ کا مطلوبہ طرز عمل ؟

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے امم سابقہ کے احوال و آثار شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہیں جو اقوام و ملل کے آفاقی اصول عروج و زوال کی وضاحت بھی کرتے ہیں اور ہمیں توحید ، پاکبازی ، پارسائی ، صداقت و امانت ، اجتناب شرک اور عدل و انصاف کا درس بھی دیتے ہیں -

قوم نوح کے احوال سورة اعراف - ھود - شعراء - عنکبوت اور لوح میں تفصیل سے مذکور ہیں - نوح علیہ السلام نے ۹۵۰ برس تک قوم کو توحید کی دعوت دی اور اللہ کے رستے کی طرف بلایا - انھیں بت پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کرنے کی تلقین کی اور عذاب الہی سے ڈرایا - مگر قوم نے کہا "تم ایک عام آدمی ہو - کوئی صاحب ثروت اور صاحب درجہ بھی نہیں - آخر آپ ہی کو کیوں ہمارے لیے منتخب کیا گیا - اگر کوئی مالدار اور صاحب استطاعت شخص یہ بات کہتا تو ہم غور بھی کرتے - آپ تو ہمیں غلط بیانی کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں - نوح علیہ السلام نے فرمایا دیکھو میں تمہیں ایک عام بات سمجھا رہا ہوں کہ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتیوں کی عبادت ترک کر دو اور اس پر میں کسی اجر کا متمنی بھی نہیں - کوئی عہدہ اور مرتبہ نہیں چاہتا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا آخر میری بات مان لینے میں حرج کیا ہے - مگر قوم نے کہا -

قالوا یانوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین[۴۸]

اے نوح تم ہم سے بحث تو کر چکے اور بحث بھی بہت کر چکے۔سو جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے (کہ عذاب آئے گا) وہ ہمارے سامنے لاؤ اگر تم سچے ہو -

غور فرمائیے کہ پیغمبر کی ۹۵۰ برس کی تبلیغ کے نتیجہ میں قوم اصلاح کی بجائے عذاب کی طلبگار ہے - کہ ہم بات تو ماننے کے لیے تیار نہیں البتہ تم اور تمہارا خدا جو کرنا چاہتا ہے ہم اس کے منتظر ہیں -

تفسیر ابن عباس کے مطابق

"قالوا یانوح قد جادلتنا ۔ ای قدخاصمتنا و دعوتنا الی دین غیر دین آبائنا[۴۹]

صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ فاتنا بما تعدنا کا معنی ہے "من العذاب المعجل" یعنی فوری عذاب کا مطالبہ ، ان کی باطنی اور اخلاقی حالت کے بارے میں زمخشری فرماتے ہیں ۔

"لبث فیھم الف سنۃ إلا خمسین عاماً وعرف طباعھم و احوالھم و کان الرجل فیھم ینطلق بابنہ الیہ و یقول احذر ھذا فانہ کذاب[۵۰]"

اس پر حضرت نوح کی اپنے پروردگار سے مناجات ملاحظہ ہوں ۔

قال رب انی دعوت قومی لیلاً و نھاراً فلم یزدھم دعائی إلا فراراً و انی کلما دعوتھم لتغفرلھم وجعلوا اصابعھم فی اذانھم واستغشوا ثیابھم و اصروا واستکبروا اسکتباراً[۵۱]

نوح علیہ السلام نے عرض کی اے پروردگار میں نے اپنی قوم کو دن رات بلایا تو میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے رہے ۔ میں نے جب کبھی انھیں (دین کی طرف) بلایا کہ آپ ان کی مغفرت (قبول حق کے بعد) کر دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے اپیٹ لیے اور اصرار کیا اور انتہا درجہ کا (میری بات ماننے سے) تکبر کیا"۔ اس لیے اب میری درخواست یہ ہے کہ ان ظالموں سے زمین کو پاک کر دیا جائے کیونکہ جب تک یہ لوگ زندہ رہیں گے خود بھی فسق و فجور پر ڈٹے رہیں گے اور اولاد کو بھی اسی طرز عمل کی تعلیم دیں گے ۔ عرض کیا ۔

و قال نوح رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیاراً انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الافاجراً کفاراً[۵۲]۔

اے پروردگار ان کافروں میں سے کسی ایک کو بھی زمین پر نہ چھوڑنا ۔ اگر آپ انھیں زمین پر رہنے دیں گے تو آپ کے (نیک) بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور فاجر اور کافر اولاد ہی جنیں گے ۔

قوم لوط کا حال دیکھ لیجیے یہ قوم عورتوں کی بجائے لڑکوں اور ہم جنسوں سے جنسی تسکین کے درپے تھی ۔ لوط علیہ السلام نے بہت سمجھایا کہ یہ فعل کسی طرح بھی عظمت انسانیت سے مطابقت نہیں رکھتا ۔ اس لیے اسے ترک کرکے سچی توبہ کرو اور فطری طریقہ سے اپنی تسکین حاصل کرو ۔ عقل کے اندھوں نے جواب دیا کہ اے لوط تمھیں علم تو ہے کہ ہمیں لڑکوں کے مقابلہ پر لڑکیوں سے قطعاً

کوئی دل چسپی نہیں اس لیے ہماری راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش مت کرو۔
قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ سورہ ھود میں فرمایا۔

قال یقوم ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم فاتقوا اللہ ولا تخزون فی ضیفی الیس منکم رجل رشید قالوالقد علمت مالنا فی بنتک من حق و انک لتعلم ما نرید۔ قال لو ان لی بکم قوۃ أو آوی إلی رکن شدید قالوا یالوط انا رسل ربک لن یصلوا الیک فاسر بأھلک بقطع من اللیل ولا یلتفت منکم احد الا امراتک انہ مصیبھا ما اصابھم ان موعدھم الصبح۔ الیس الصبح بقریب فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا و امطرنا علیھا حجارۃ من سجیل منضود مسومۃ عندربک وما ھی من الظالمین ببعید[۴۳]

(لوط علیہ السلام نے) کہا اے قوم یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں تمہارے واسطے بہت پاکیزہ ہیں پس اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی اچھا آدمی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ تمہیں معلوم تو ہے کہ تمہاری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں۔ اور تو ہمارے ارادے کو جانتا ہے۔ کہا کاش تمہارے معاملے میں مجھے کچھ قوت و اختیار ہوتا یا میں کسی محکم قلعہ کی طرف پناہ حاصل کرتا۔ مہمانوں نے کہا اے لوط ہم تمہارے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں یہ ہرگز تیری طرف نہیں پہنچ سکیں گے۔ پس اپنے لوگوں کو رات کے ایک حصے میں لے جاؤ اور تم میں سے کوئی پیچھے منہ نہ پھیرے مگر سوائے تمہاری بیوی کے بے شک جو انہیں پہنچے گا وہ اسے بھی پہنچنے والا ہے (یعنی عذاب) ان کے لیے وقت موعد صبح کا ہے اور کیا صبح قریب نہیں ہے پس جب (ان کی مسلسل نافرمانی اور بدعملی کی وجہ سے) ہمارا حکم آ گیا ہم نے اس کا اوپر نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر کنکر پتھر برسائے تہ بہ تہ۔ تیرے پروردگا کے نزدیک نشان زدہ۔ اور وہ ظالموں سے دور نہیں"۔ اللہ کے نبی نے قوم کو عذاب سے بچانے کے لیے (قوم کی) بیٹیوں سے نکاح تک کی پیش کش کر دی کہ میرے مہمانو پر دست درازی سے رک جاؤ۔ مگر ہٹ دھرمی کی انتہا دیکھیے کہ صاف کہہ دیا کہ ہمیں تو لڑکیوں کی بجائے ان نوجوان مہمانوں سے دل چسپی ہے مگر وہ تو فرشتے انسانی شکل میں بھیجے گئے تھے۔ پس جب وہ لوگ اتنی پاکیزہ پیش کش کے باوجود بھی باز نہ آئے اور پیغمبر کی طرف کوئی دھیان نہ دیا تو ان کے بارے میں فیصلہ کر لیا گیا۔

صاحب روح البیان ان کی بے حیائی اور ڈھٹائی سے متعلق فرماتے ہیں انہوں نے صاف یہ کہہ دیا۔

"ان لنکاح الاناث لیس من عادتنا و مذھبنا۵۴"

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا

"لسن ازاوجاًلنا فنستحقھن بالنکاح یعنی مالنا فیھن من حاجۃ۵۶"

امام رازی کی رائے میں قوم نے کہا ہماری تو طبائع ہی صنف نازک کی طرف متوجہ نہیں ہوتی ہیں۔

"لا یمیل طبعنا الیھن فکیف قیا مھن مقام العمل الذی نریدہ وھو اشارۃ الی العمل الخبیث۵۶"

جب کوئی قوم سمجھانے کے باوجود بے حیائی کی اس سٹیج پر پہنچ جائے تو اس کے لیے وہی ہوتا ہے جس کی وہ حقدار ہوتی ہے۔ کتنا بڑا درس ہے اس واقعہ میں اقوام عالم کے لیے۔

شعیب علیہ السلام کی قوم ناپ تول میں کمی کرتی تھی۔ دیتی کم اور لیتی زیادہ حضرت نے انہیں سمجھایا اور اس طرز عمل کو چھوڑنے کی تبلیغ کی۔ گمراہوں نے کہا کہ یہ تو عجیب بات ہے کہ ایک تو ہم اپنے بڑوں کے طریقہ عبادت کو ترک کریں۔ اور دوسرے کاروبار میں خسارے کا عمل اختیار کریں۔ یہ چیز ہمارے لیے تو قابل قبول نہیں۔ اس لیے آپ اپنی عبادت و ریاضت کرتے رہیں اور ہمارے معاملے میں مداخلت نہ کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں تمہاری ہی بھلائی کی بات کرتا ہوں اور میں ڈراتا ہوں کہ اگر تم نے اپنے طرز عمل کی اصلاح نہ کی تو مبادا تمہارا انجام بھی قوم نوح۔ ھود اور ثمود جیسا نہ ہو کہ خدا کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا مگر شعیب علیہ السلام کی قوم نے اس عام فہم اور سادہ سی بات کو سننے اور سمجھنے کی بجائے کہا۔

قالوا یا شعیب ما نفقہ کثیراً مما تقول و انا لنراك فینا ضعیفا ولو لارھطك لرجمناك وما انت علینا بعزیز قال یاقوم ارھطی اعز علیکم من اللہ و اتخذتموہ وراءکم ظھریا ان ربی بما تعملون محیط و یاقوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل، سوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ و من ھو کاذب وارتقبوا انی معکم رقیب ولما جاء أمرنا نجینا شعیباً و الذین آمنوا معہ برحمۃ منا و اخذت الذین ظلموا الصیحۃ فا صبحوا فی دیار ھم جثمین کان لم یغنوا فیھا الا بعداً لمدین کما بعدت ثمود۵۷

قوم نے کہا اے شعیب تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور ہم تمہیں اپنے اندر کمزور دیکھتے ہیں۔ اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو

ہمیں سنگسار کر چکے ہوتے اور ہمارے نزدیک تمہاری کوئی توقیر نہیں ۔ شعیب نے کہا اے میری قوم کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک اللہ سے بھی زیادہ عزت والا ہے اور اس کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے ۔ یقیناً میرا رب تمہارے سب اعمال کو احاطہ کیے ہوئے ہے ۔ اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں ۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا وہ کون شخص ہے جس پر ایسا عذاب آئے گا جو اسے رسوا کرے گا ۔ اور کون شخص جھوٹا تھا ۔ اور تم بھی منتظر رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں ۔ جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا ان ظالموں کو ایک سخت عذاب نے پکڑ لیا ۔ سو اپنے گھروں کے اندر اوندھے گرے رہ گئے جیسے ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے ۔ خبردار مدین کو رحمت سے دوری ہوئی ۔ جیسے ثمود رحمت سے دور ہوئے تھے ۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ قوم شعیب نے ''مانفقہ'' اس لیے نہیں کہا وہ بات سمجھتے نہیں تھے بلکہ وہ آپ کی بات سننا ہی نہیں چاہتے تھے ۔

صاحب کشاف فرماتے ہیں ۔

''لانهم كانوا لايلقون اليه اذهانهم رغبة عنه وكراهية له كقوله و جعلنا على قلوبهم اكنة أن يفقهوه ، او كانوا يفقهو نه و لكنهم لم يقبلوه فكانهم لم يفقهوه يا ایسا استہانت کی وجہ سے کہتے تھے کہ جیسے ما ادری ماتقول''[۵۸]

یعنی وہ اپنی اصلاح کی طرف مائل ہونے کی بجائے اصلاح کی بات سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے ۔

اس نوعیت کے دیگر واقعات میں قوم عاد اور قوم ثمود کے احوال بھی ہمارے لیے مقام عبرت ہیں اور ہمیں اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرتے ہیں ۔

خاص طور پر اہل سبا کا تذکرہ کہ سبا ایک سرسبز و شاداب وادی تھی ۔ دائیں بائیں دو طرفہ باغات تھے ۔ آب رسانی کا انتہائی متمدن نظام تھا ۔ سفر بہت محفوظ اور بے خطر ۔ پوری وادی پر رحمت الٰہی کا سایہ تھا ۔ ان نعمتوں کے باوجود انھوں نے اللہ کی نافرمانی شروع کر دی ۔ ناشکر گزاری کا رویہ اختیار کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اے پروردگار ہم قریب قریب رہ کر اکتا چکے ہیں ہمارے سفر لمبے کر دیے جائیں تا کہ ہمیں سفر کا لطف حاصل ہو سکے ۔ ان کی اس ناسپاس گزاری کی وجہ سے نعمت الٰہی کا بادل ان سے اٹھ گیا اور نافرمانی کی وجہ سے ان پر پانی کا عذاب چھوڑ دیا گیا ۔ یہ واقعہ سورہ السبا میں بالتفصیل مذکور ہے[۵۹]۔

البقرہ ۔ المائدہ ۔ الانعام ۔ الاعراف ۔ یونس ۔ طہ ۔ الشعراء ۔ اور القصص میں بنی اسرائیل کی اخلاقی پستی و زبوں حالی فرعون کے ظلم و ستم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کی تفصیلات کو بار بار ذکر کیا گیا ہے ۔ تاکہ امت مسلمہ اپنے اجتماعی کردار و رویہ کی تشکیل کے موقع پر ان واقعات کو سامنے رکھے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کو لازم ٹھہرائے [۶۰]۔

عقل و دانش کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی ایک اور تمثیل قرآن مجید نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ کے مبارک اخلاق کریمانہ ، آپ کی امانت و دیانت ، صداقت و پارسائی کے حوالہ سے ذکر فرمائی ۔ اہل عرب نے جب حضور کی دعوت حق کا انکار کیا اور آپ کو جھوٹا اور جادوگر قرار دیا تو رب العالمین نے آپ کے سابقہ طرز حیات کو ان پر حجیت کے طور پر بیان کرتے ہوئے عقل سے کام لینے کی دعوت دی فرمایا ”فقدلبثت فیکم عمراً من قبلہ أفلا تعقلون“[۶۱] کیا میں نے اس سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی تمہارے مابین بسر نہیں کی ، تم لوگ کیوں عقل سے کام نہیں لیتے ۔ قاضی ثناء اللہ اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں ۔

افلاتستعملون عقولکم بالتدبر والتفکر فیہ لتعلموا انہ لیس من قبل نفسی بل من عنداللہ[۶۲]

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ اور واضح ہے کہ ہر انسان میں ایمان و ہدایت کے قبول کرنے کی فطری صلاحیت موجود ہوتی ہے ۔ اس صلاحیت سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کی غرض سے انبیاء کرام انسانوں کی راہ نمائی فرماتے ہیں ۔ جو لوگ عقل سے کام لے کر انبیاء کرام کی آواز پر لبیک کہتے ہیں وہ ہدایت و فلاح کی منزل حاصل کر لیتے ہیں اور جو لوگ عقل و خرد کو پس پشت ڈال کر انبیاء کرام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں ابدی ناکامی ان کا مقدر بن جاتی ہے ۔

دعا ہے کہ اللہ کریم ہمیں قرآن مجید میں غور و فکر کرنے اور اس سے ہدایت و راہ نمائی حاصل کرنے کی سعادت عطا فرمائے (آمین)

مراجع و مصادر

۱- الرعد/۷

۲- یونس/۴۷

۳- مزمل/۱۹

۴- الزخرف/۴۴

۵- یوسف/۱۰۴

۶- محمد/۲۴

۷- علامہ محمود آلوسی: روح المعانی ، داراحیاء التراث العربی - بیروت ۲۵/۷۴

۸- احمد مصطفیٰ المراغی،تفسیرالمراغی مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی - ۱۳۸۲ھ - سورۃ محمد

۹- آل عمران/۱۹۱ - ۱۹۰

۱۰- فخرالدین الرازی : التفسیر الکبیر - المطبعۃ الحلبیۃ المصریۃ - ۹/۱۳۴

۱۱- ایضاً - ۹/۱۳۶

۱۲- رشید رضا - تفسیر المنار - مکتبۃ القاہرۃ - ۴/۲۹۸

۱۳- البقرہ/۱۶۴

۱۴- جمال الدین قاسمی - تفسیرالقاسمی ، دار احیاء الکتب العربیۃ ، مصر - ۱۳۷۶ھ ۲/۱۹

۱۵- تفسیر المنار - ۲/۵۷

۱۶- پیر کرم شاہ - ضیاء القرآن ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز - لاہور - ۱۳۹۸ھ - ۱/۱۱۲

۱۷- الاعراف/۱۷۹

۱۸- الانبیاء/۲۲-۲۱

۱۹- احمد مصطفیٰ المراغی - تفسیر المراغی - الانبیاء/۲۲-۲۱

۲۰- التفسیر الکبیر - ۲۲/۱۵۳-۱۵۱

۲۱- ضیاء القرآن - ۳/۱۵۹
۲۲- ابراھیم/۱۰
۲۳- العنکبوت/۶۱
۲۴- الزخرف/۹
۲۵- حم السجدہ/۹
۲۶- فاطر/۱۴
۲۷- فاطر/۹
۲۸- الفرقان/۴۹-۴۸
۲۹- فاطر/۳
۳۰- النمل/۶۴
۳۱- غافر/۶۲
۳۲- البقرہ/۷
۳۳- الحج/۷۳
۳۴- علامہ زمخشری - الکشاف - دارالمعرفہ- بیروت- ۳/۲۲
۳۵- العنکبوت/۴۳-۴۱
۳۶- روح المعانی/۲۰/۱۶۳
۳۷- تفسیر القاسمی/۸/۱۵۱
۳۸- الکشاف ۳/۲۰۷
۳۹- البقرہ/۲۵۸
۴۰- اسماعیل حقی - تفسیر روح البیان - دارالفکر - بیروت - ۱/۴۱۰
۴۱- الانبیاء/۷۰-۵۷
۴۲- الکشاف - ۲/۵۷۷
۴۳- المظہری - ۶/۲۰۵